

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے شعبہ عربی و ہندوستان یونیورسٹی
رفیق اعزازی۔ الحق

سیاست و تعمیر ملت

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں

گزشتہ سے پیوستہ

سعود عالم ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

سیاست میں میرے خیالات آپ لوگوں سے الگ نہیں ہیں لیکن اگر رسالہ (ایضاً) کو چلانا ہے تو اس کو شجر ممزوعہ قرار دینا پڑے گا۔ الخیر کلمہ یسوع فی السياسة ، انما هو نوع من الخیر فترکہ یسوع ترک الخیر کلمہ - (مکاتیب سلیمان ص ۳۶)

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :

”اخبار ہلال کا طلوع مبارک ! مگر ضرورت ہے کہ صرف قوم و ملک کا سیاسی جذبہ کا فرمانہ ہو کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ہمارے دلوں کے اندر ہو۔ اور اسکی رضا اور رجا کا بھی دل میں خطرہ ہو۔ افسوس ہے کہ جو ہم میں نظری طور سے ملحد نہیں وہ عملی طور سے ملحد ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کا درد ہندوستانی قومیت کے منافی نہیں۔“

تقسیم ہند سے پیشتر کے چند سالوں میں ہندوستان کا سیاسی مطلع جس طرح غبار آلود تھا۔ اور سیاست جس طرح مسلمانان ہند کے دل و دماغ، ذہن و قوی پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا آج تصور بھی مشکل ہے جس دق کا مدار، اشخاص کی مدح و ذم کا معیار سیاسی سالک بن چکے تھے۔ حضرت والا قدس سرہ کی اس زمانے کی تحریریں سیاسی اصابت رائے، فکری پختگی، ذہنی بلندی، دینی بصیرت و اسلامی نظریہ زندگی کی معتدل اور جامع ہدایات ہیں۔ جو ہمیشہ مسلمانوں کیلئے مشعل راہ رہیں گی۔

۱۹۴۵ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں کلکتہ میں ایک نئی جمعیتہ علمائے اسلام قائم ہوئی جس کا مسلک پاکستانی

نظریہ کی حمایت تھا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں :

”پچھلے مہینہ کلکتہ میں ایک نئی جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے۔ جہاں تک اس کے مطبوعہ نظام نامہ کا تعلق ہے۔ وہ بڑی اہمیت کی مستحق ہے۔ اور اس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی تحریک تو اس ساری گردش افکار کا عہد نہیں ہے۔ ان کاموں کے لئے ضرورت ہے چند جانباز مخلصوں کی جو اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ اور پیہم سرگرمیوں سے اپنے وجود کا یقین دلائیں۔ ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوانگ بہت دیکھنے میں آئے ہیں۔ جمعیت کو ثابت کرنا چاہئے کہ وہ ایسی نہیں۔ اور اس سے جو توقعات قائم کی جائیں وہ پوری ہوں گی۔ اور وہ مقبوع ہو کر رہے گی، تابع نہیں۔“

آج کل سلمان اہل سیاست میں علماء کو بُرا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علمائے جمعیت اسلام نے ہمت کر کے ان کی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علیندگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گزشتہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہوگی۔ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ بُرا منظر اود کیا ہوگا۔ کہ اس کا مشغلہ غیبت بدگوئی اور باہمی طعن و طعن ہو۔

اس زمانہ میں جب الیکشن کا بازار گرم ہے۔ سیاسیات نے قوی اور تعلیمی و علمی اداروں کو بھی اپنے ساتھ الجھا لیا ہے۔ لیکن یہ صورت حال خود ان تعلیمی و علمی اداروں کے لئے موزوں نہیں۔ یہ ادارے وہ کارخانے ہیں جن کے سپرد قوم کے دماغوں کی تیاری کا کام ہے۔ اگر گولہ بارود بنانے والے کارخانوں کے مزدور اور جنگی تربیت گاہوں کے معلم بھی فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو۔ کبھی رٹائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے۔

مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاست کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے۔ اور اس کو علمی سرگرمیوں کا بانہ پیچ نہ بنایا جائے۔“

(معارف صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹، ج ۵۶ ص ۷)

مسعود عالم صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

”میں بھی اعظم گڑھ سے دُور ہونے کے باعث الیکشنوں کے ہر گرد و غبار سے محفوظ رہا۔ ابھی

دیوبند گیا تھا۔ ایک دن رہا۔ مدرسہ کانگریس کا قلعہ بن رہا تھا۔ حسن نیت اور اخلاص پر اعتماد ہے۔ مگر مدارس کا اس کشاکش میں پھنسنا کسی طرح علم و دین کے لئے پسندیدہ نہیں۔ ایک طرف علی گڑھ کے طلبہ لیگ کا لیڈر اور بالمقابل دیوبند کے طلباء کانگریس کا جھنڈا لے کر صوبہ بھر میں پھیلے ہیں۔“ (مکاتیب سلیمان ص ۱۹۵، ۱۹۶)

علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری کو لکھتے ہیں :

”ادھر میرٹھ میں قیام کے سبب سے دو دو چار چار روز کیلئے دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون اور دہلی ہوا کیا ہر جگہ سیاسیات کے الجھاؤ سے اصحاب عمامہ اور اہل درس و تدریس کو پرانگندہ خاطر پایا، اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ پر رحم فرمائے۔“

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

”سیاسیات سے یکسو ہو کر علم اور دین کی خاطر ہم اپنی کوششوں کی یکجا کریں۔“

ایک خط میں مسعود عالم صاحب کو، ستمبر ۱۹۶۶ء کو اس وقت کی سیاست کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”امت اسلامیہ کی اکثریت کی ناکامی کا سانحہ بڑا المناک ہوگا۔ مسلک کی صحت و خطا سے بحث نہیں، یوں ہی ایک بات قلم سے نکل گئی تھی۔“

گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

حضرت سید الملک رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس بات کا بہت ہی اثر تھا کہ امت مسلمہ اکثریتی حیثیت سے اپنے مقاصد، اپنے منصب خلافت اور مقام امامت کو مجھلا کر فکر و نظر، علم و عمل میں رجوع ہونے کی بجائے دوسرے کی تابع اور ناقل بنتی چلی جا رہی ہے۔ بلکہ بن گئی ہے۔ امت کو اس کے مقام رفیع کی یاد دہانی، اسلامی نظریہ خلافت کی طرف رجوع اور دینی سیاست عادلہ کی طرف عود کی تلقین اپنے حکیمانہ اور پردرد الفاظ میں ہمیشہ فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک جگہ حکیم الامتؒ کی مساعی جملہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :

”حقیقت میں ترقی جسکی اس وقت دم بدم پکار ہے۔ اونچے محلوں، بھرے خزانوں، پیش قیمت

لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں،

اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف

عادات اور پاک و صاف قلب کا نام ہے۔ جو آب و گل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو۔

اور حرص و ہوس، حب مال اور حب جاه کا گرویدہ نہ ہو۔ جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا

کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر و تصوف، علم و فن اور تمدن و سیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول و مبادی کو چھوڑ کر ہندی دھرمی دیونانی وافرنگی تصور حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں۔ اور اسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں۔ فقر و تصوف میں ہندی دیونانی تصورات جوگ و استشراف کی تقلید ہے۔ علم و فن میں دھرمی دیونانی مذاق کی پیروی ہے۔ تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگ کی آمیزش ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت و کسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا، اسی کے نام پر اچالیں برس کے بعد خود ہی قیصریت و کسروانیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء و حکام خلفائے راشدین کی جگہ قیصر و کسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے۔ وہی تعیش، وہی سوسنے چاندی اور ریشم و حریر اور طاؤس و دیاب کی زندگی مسلمان امراء و حکام کی زندگی کا مقصد بن گیا۔ بیت المال ان کا ذاتی خزانہ بن گیا، اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیر داری و زمین داری اسلامی اصول کی بجائے قیصر و کسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہو گئی۔

یہ تو عہد گذشتہ کا حال تھا۔ عہد حاضر میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ ہمارے دارالسلطنہوں کے سامنے پیرس کے خا کے ہیں۔ ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی اور رنگینی اور بے حجابی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک و وضع کی اور طرز ماند و بد میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ غرض مسلمانوں کے دل و دماغ اور ذہن و تصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد ہوا اسلام نے پیش کیا تھا۔ یکسر نغنی اور پوشیدہ ہے۔ علم و فن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین عنلات و گمراہی خیال کی عکاسی میں مصروف ہے۔ اور سوائے تقلید و نقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے۔ تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوشربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست، اور تصور تمدن اور تصور علم و فن اپنا

خاص ہے۔ اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی و ملی غرض و غایت ہے۔
 اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں کہ وہ (اس آئینہ میں اپنے خط و خال کو
 دیکھ کر) اپنی شکل کو پہچانیں، اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو اور مقلد بننے کے بجائے
 دنیا کے امام و پیشوا بنیں۔ اور ایک نئے تمدن، نئے طرز حیات، نئے مقصد زندگی
 اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیاناگل برافشانیم دمی در ساغر اندازیم فلک راسقف بشکافیم طرح نور اندازیم
 اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جو یا اور سکینیت کی پامی دنیا
 کو امن و سلامتی کا پیغام دیں۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تکمیل کریں۔ جو دنیا و آخرت
 کی صلاح و فلاح کی کفیل ہو۔ اور سیاست اور ملک داری کو حرص و ہوس، جھوٹ اور دغا
 اور مکر و فریب سے آزاد کریں۔

اگر غم شکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد من و ساقی ہم سازیم و بنیادش بر اندازیم
 اسلام نے بیانگ دہل بنایا ہے اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق
 کے لئے اخلاقی جوہر لازم ہے۔ حب مال اور حب جاہ یہ دو لبالب زہر کے پیائے ہیں۔
 جو شربتِ زلال کی شکل میں حکام اور لیڈران کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی نے
 اسکی طمع میں آکر ان کو پی لیا۔ تو نہ صرف ان کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتے
 ہیں۔ اس لئے وہ حکومتِ صالحہ جسکی دعوت اسلام کا آئین دیتا ہے۔ وہ ایثار و اخلاص
 اور خدمتِ خلق کی لٹھی جذبات سے تعمیر پاتی ہے۔ لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال و جاہ
 کی محبت سے قلب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ جو قرآن سے ہدایت یابی
 کی پہلی شرط ہے۔ ”ہدی المستعین“ بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خوری،
 پدمست فردشی، بلیک مارکنگ جن کی بدولت ہندوستان و پاکستان کی بنیادیں ہل رہی ہیں

۱۔ اسلامی تعلیمات کا وہ آئینہ جسے حکیم الامت حضرت مھتانویؒ نے امت کے سامنے پیش کیا۔ اور جسے نئے
 انداز میں مولانا عبدالباقی ندوی مدظلہ نے سلسلہ تجدیدات و اصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں مرتبہ
 فرمایا۔ (یعنی جامع المجددین، تجدید تصوف و سلوک، تجدید تعلیم و تبلیغ، تجدید سیاسیات و قومیات) آخری جلد
 کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی۔

وہ حاکموں، عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں، تاجروں، زمینداروں اور کسانوں کی انہیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں۔ اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیت الہی اور جزائے یوم الدین سے بیگانگی ہے جس سے قلوب تزکیہ تصفیہ کے آبِ صافی سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیہ قلب اور تصفیہ اخلاق کے بغیر فوہ حقیقی سے محروم رہتے ہیں۔ افراد کے قلوب جب تک عناد و حسد، بغض و کینہ، عجب و غرور، ریادغا نش سے خالی اور اخلاص و ایثار، توکل و اعتماد علی اللہ اور صبر و ثبات سے محروم نہیں ہوتے۔ دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہم کنار نہیں ہوتے اور یہ ایسے اصول ہیں جو ایک طرف اصول و تعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی و انفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور موید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی عنایتِ رِضا سے الہی کی طلب اور احکام الہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض دنیاوی فوز و فلاح یعنی دولت و دھن، عیش و زندگی اور اسبابِ راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور خدم و حشم کی کثرت تو وہ پست و متبذل مقاصد ہیں۔ جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا شراب ہے۔
ذٰلِکَ بِاَمْرِ اللّٰہِ ہُوَ الْحَقُّ وَاِنَّ مَآئِدَ عٰوْنٍ مِّنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ۔ کل شیء باطل
خلا اللہ باطل۔ (مقدمہ جامع المجددین)

الحق کی ایجنسیاں

کراچی میں ————— عوامی کتب خانہ بندر روڈ ————— کراچی ۲
ڈیرہ اسماعیل خاں میں ————— جناب فیض محمد صاحب ایجنٹ اخبارات و رسائل
اکوڑہ خشک میں ————— عبدالغفور خاں نیوز ایجنٹ